
شعاع
اکتوبر 2026
ماہنامہ شعاع Regd. No. MC - 52 OCTOBER 2026 MONTHLY SHUAA قیمت -/180 روپے

فریدہ اشفاق

صلیب تنہائی

ناولٹ

''خاموش رہو اسفند۔ تمہیں اس معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ابھی تم سے بڑے موجود ہیں۔''

''کیوں خاموش رہوں؟ مجھے حق ہے! آپ کیا چاہتی ہیں۔ شیری کی زندگی بھی بزرگوں کے غلط فیصلوں کی بھینٹ چڑھ جائے؟ جس طرح امی اور

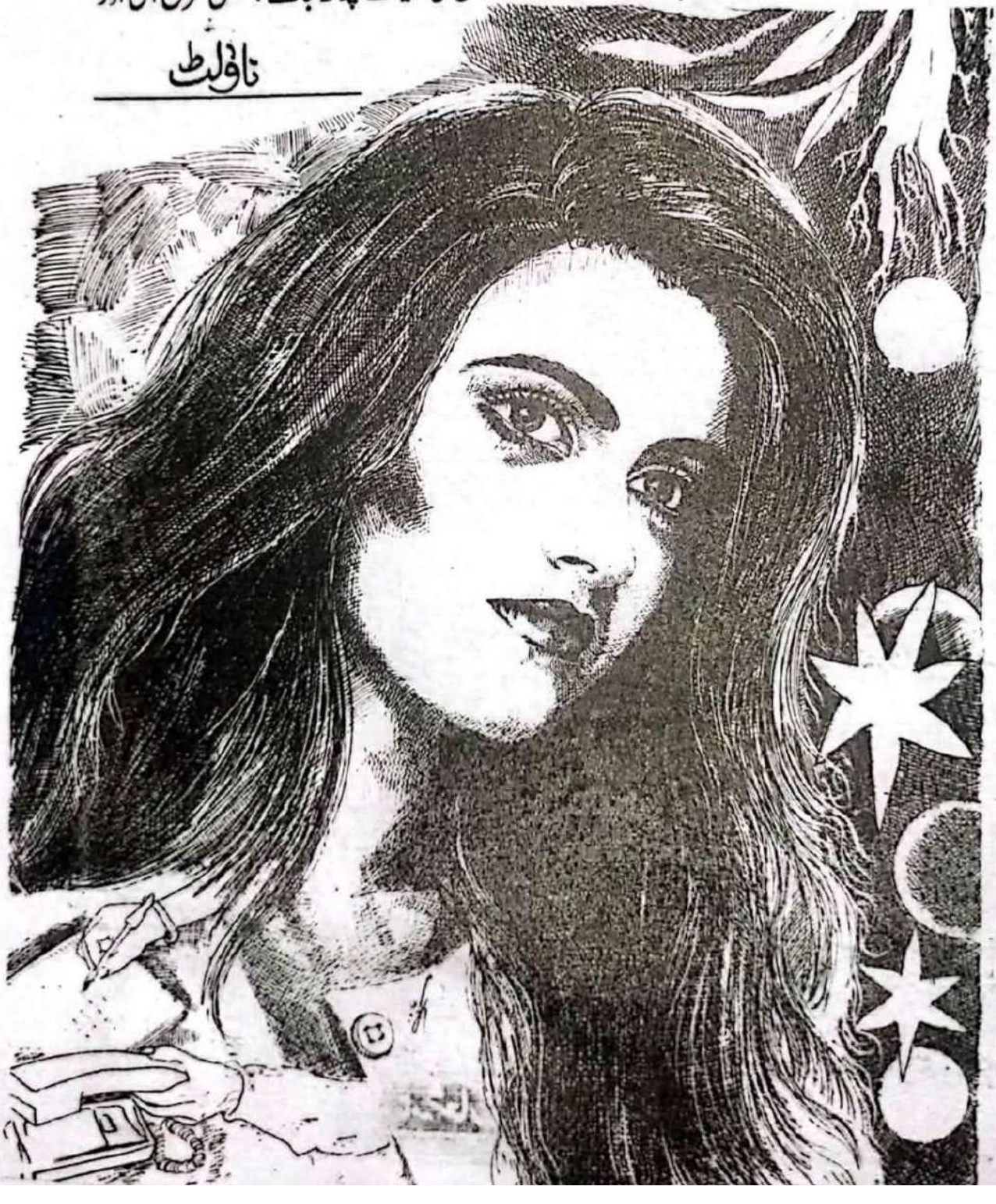

جہاں زیب ماموں کی چڑھی تھی؟''

اس کے تند اور تلخ لہجے ہر ایک لمحے کو صفیہ پھوپھو حق دق رہ گئیں!۔

''اسفند!'' جہاں آرا کی سرزنش لیے ہوئی سخت آواز نے سکوت توڑا۔

''تم سے کس نے کہا ہے یہ؟''

''کسی نے بھی کہا ہو۔ نام بات کی اہمیت تبدیل نہیں کرتے۔''

''تمہیں اندازہ ہے کس سے مخاطب ہو؟''

''میں نے صرف احتجاج کیا ہے ایک غلط بات پر۔ رشتے ہر حال میں محترم ہیں اور میں انحراف یا نظر اندازی کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا!''

''بدتمیزی اور بدتہذیبی کا دوسرا نام گستاخی ہے''

''میری تربیت میں کہاں خامی رہ گئی؟''

''خاموش رہ کر زندگی بھر کے لیے بے سکونی، محرومیاں اور پچھتاوے خریدنے سے یہ ایک الزام اٹھا لینا زیادہ بہتر ہے۔''

''اسفند، شہریار تم سے بڑا ہے۔ آوے سے نکلنے والا پہلا برتن، مہارت کے ساتھ قسمت کا فیصلہ بھی کر دیتا ہے۔ میرے تمام بچوں نے ہمیشہ ایک بہتر عملی نمونہ سامنے پایا اور نشان راہ سمجھ کر چل پڑے۔ پھر یہ کس کا نصیب ہے؟''

اسفند کا چہرہ ایک دم زرد پڑ گیا۔

''اسے کچھ مت کہو جہاں آرا۔!'' زبان کھولنا کوئی اتنا سنگین جرم تو نہیں؟ یہ تو خوشی کا مقام ہے کہ تمہارا بیٹا صحیح اور غلط میں امتیاز کر سکتا ہے۔ حق اور ناحق کی تفریق کر سکتا ہے!''

''تو یہ تمہاری زبان بول رہی ہے جہاں زیب!'' انہوں نے طویل سانس لیا۔

''میرے ہی بچے کو میرے خلاف استعمال کرنے کا حق تمہیں کس نے دے دیا؟''

''غلط مفہوم مت دو۔ میں نے کسی کو استعمال نہیں کیا۔ حقیقتیں ایک نہ ایک روز کھلتی ضرور ہیں۔ بچے اب اتنے بے شعور نہیں کہ حقیقت آشنا نہ ہو سکیں۔ شہریار کے ساتھ بہر حال زیادتی ہو رہی ہے۔ اور سحر افروز کے ساتھ بھی.....!''

''یہ فیصلہ تم کیسے کر سکتے ہو؟''

''میں حیران ہوں کہ تم یہ فیصلہ کیسے نہیں کر سکتیں؟ مجھ سے تو زندگی نے قدم قدم پر خراج وصول کیا ہے اور مسلسل کر رہی ہے۔ کیا کسی لمحے نے تمہارا دامن نہیں تھاما؟ کبھی کوئی صدا سد راہ نہیں بنی؟''

''زبان سے نکلنے والے الفاظ، کمان سے نکلنے والا تیر، اور ہاتھ سے نکل جانے والا وقت کبھی لوٹائے نہیں جا سکتے۔ پھر ان سب باتوں کا حاصل؟''

''ہاں! بے شک جب مکافات عمل شروع ہو جائے تو تلافی ممکن نہیں رہتی۔ لیکن کفارہ تو ادا کیا جا سکتا ہے۔'' ان کی آواز بری طرح بکھری۔ تھکے تھکے لہجے میں پچھتاوے گھل گئے۔

''کس بات کا کفارہ جہاں زیب صاحب؟ بچپن کے وہ بندھن بہت کمزور تھے جو تم نے ایک جھٹکے سے توڑ دیئے یہ، سوچے بغیر کہ اس کچے دھاگے سے کتنے لوگوں کے مضبوط رشتے، تعلق اور جذبے بندھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ایک بہتر مستقبل اور خوب صورت زندگی تمہاری منتظر تھی!'' جہاں آرا کے طنزیہ لہجے میں زمانے بھر کی کڑواہٹ سمٹ آئی۔

''غلطیاں انسانوں ہی سے ہوتی ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا فریب کتنے حسین ہوتے ہیں۔ وہ جال یقیناً بہت خوب صورت تھا اور وقتی جذبے سحر انگیز۔ جو میرے لیے دائمی جرم و ندامت بن گئے۔''

''پھر اب ملال کس بات کا ہے؟ رفت گزشت!''

''ملال؟ دلوں کے تعلق اتنے کمزور اور ناپائیدار نہیں ہوتے جہاں آرا، کہ کے وقت انہیں اکھاڑ پھینکے۔ یہ تو اندر ہی اندر اپنی مضبوط جڑیں اس طرح پھیلا دیتے ہیں کہ جب زبردستی اکھاڑنے کی کوشش کی جائے تو ہر چیز تہہ و بالا ہو کر رہ جاتی ہے۔ سب کچھ ان کے ساتھ ہی فنا ہو جاتا ہے۔ ہم ساری دنیا کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ لیکن کیا خود کو دھوکا دینا

ممکن ہے؟ حقیقت بہر حال تسلیم کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ اور اسی میں انسان کی فلاح ہے۔ بہتری ہے!''

''واقعی دلوں کے تعلق بہت مضبوط ہوتے ہیں۔''

یہ زہر خند، زہریلا لہجہ جہانزیب کے رگ و پے میں اتر گیا۔

''تم جانتے ہو کہ جو چیزیں بہت مضبوط ہوں وہ ناقابلِ شکست ہوا کرتی ہیں۔ ان برتخی! جو اگر ٹوٹ جائیں تو ریزہ ریزہ، کرچی کرچی ہو کر بکھر جاتی ہیں۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت انہیں جوڑ نہیں سکتی!''

''یہ تمام عمر کا عذاب ہے۔ رگ و پے میں جو اترے تلخی غم پھر دیکھے کیا ہو؟ ان کے وجیہہ خوب صورت چہرے پر کرب و ملال بری طرح بکھر گیا۔

''ہاں قصور وار میں ہی تھا۔ میں ہی ہوں۔ لیکن درِ توبہ تو خدا بھی بند نہیں کرتا۔ میں بہت اذیت کی مسافت سے لوٹا تھا۔ بہت چاہا۔ کوشش بھی بہت کی۔ لیکن تم نے اپنے تمام دروازے بعد کر لیے۔ چچا میاں نے اپنی آن کا مسئلہ بنا لیا۔ میری تمام دستکیں ناکام ہوئی ہیں۔ رائیگاں گئیں!''

''تو کیا غلط کیا؟ مت بھولو۔ دلوں کے تعلق صرف مضبوط ہی نہیں بہت نازک بھی ہوتے ہیں۔ میرا اعتماد، میرا یقین تو اس دن ٹوٹا۔ جب خود اپنی آنکھوں سے نشاط آپا کی شادی میں تمہاری دلچسپی اور توجہ دیکھ لی۔ تمہارا وہ والہانہ انداز اور ضد۔ پھر تایا جان اور تائی جان کا اعتراف۔ جہاں آرا تو اسی دن ختم ہو گئی تھی جہانزیب صاحب۔ یہ پھوپھی امی اور صفیہ ہی تھے۔ جنہوں نے جینے کی لگن اور حوصلہ دیا۔ بلکہ ایک نئی اور روشن حیات دی۔ میرے ریزہ ریزہ ہو جانے والے بکھرے وجود کا ایک ایک ذرہ اپنی پلکوں سے سمیٹا۔ یہ آپ کا نصیب کہ آپ جنت پا کر بھی بے سکون ہی رہے۔ اور یہ میرا مقدر کہ میں تہی دامن ہونے کے باوجود آج ایک پر سکون گھر اور مثالی اولادیں لیے بیٹھی ہوں۔ آخر کیوں؟ کس لیے؟ کبھی اس سود و زیاں کا حساب کتاب بھی تو کریں؟''

''بلاشبہ یہ تقدیر کے کھیل ہیں۔ میری معمولی لغزش، چھوٹی سی بھول کی اتنی کڑی سزا؟ اگر ظفریاب درمیان میں نہ آ جاتے تو شاید یہ سب کچھ یوں نہ ہوتا.....!''

''یہ تمہاری خوش فہمی ہے جہاں زیب۔ تمہارے نزدیک بچوں کا حقیقت آشنا ہونا ضروری ہے تو ساتھ ہی حقیقت شناس بھی ہونا چاہیے۔ میں کسی بات کی تردید یا تائید نہیں کروں گی۔ یہ فیصلے کا شعور رکھتے ہیں۔ لیکن آج تمہارے سامنے اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے مجھے ذرا بھی جھجک نہیں ہے کہ میرے تمام تر جذبات اور احساسات صرف اور صرف ظفریاب کی امانت ہیں۔ اس لیے نہیں کہ وہ میرے شریک زندگی بنے۔ اس لیے کہ وہ شریک غم بھی تھے۔ اس لیے نہیں کہ انہوں نے مجھے چاہا۔ خلوص اور محبت دی۔ اس لیے کہ وہ صحیح معنوں میں وفاؤں کے امین تھے!''

''جانتا ہوں جہاں آرا! جانتا ہوں۔ وقت کا تازیانہ بے رحم ہے اور پچھتاوے کا زہر سست اثر۔ خوش نصیب تھے ظفریاب کے ماضی کے سارے نقش معدوم کر کے، مٹا کر دیار دل میں داخل ہوئے اور میری بے سکونی مجھے یوں بے وطن کر گئی۔ میں کہاں کہاں نہیں گھوما۔ زندگی کے وہ دو سال جنہیں میں اپنی حیات میں نہیں جوڑنا چاہتا لیکن کسی صورت گھٹا بھی نہیں سکتا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ میں تمام عمر تمہاری جگہ کسی کو نہیں دے پاؤں گا۔ میں نے تو خود تم سے کہا ہے کہ زندگی نے ہر ہر لمحہ مجھ سے خراج وصول کیا ہے!''

ان کے درمیان ایک دم سے بلاسٹ ہو جانے والے اس آتش فشاں نے وہاں موجود تمام لوگوں کو جیسے پتھر کے مجسموں میں تبدیل کر دیا تھا۔ کہ آج سے پہلے وہ اس قصہ غم سے واقف ہی نہیں تھے۔

''تم کس خراج کی بات کر رہے ہو جہاں زیب؟ کبھی ان برسوں کا حساب بھی دیکھا جو تم نے

باہر گزارے؟ سکون دل کی خاطر؟ میں نہیں چاہتی تھی کہ کبھی یہ بات کھلے۔ اور ظفریاب کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔ تم نے بہت برا کیا ہے۔ بہت برا کیا جہاں زیب۔ اسفند کو صفیہ سے معافی مانگنی پڑے گی کہ یہ صرف ظفریاب کی بہن، ان کی پھوپھی ہی نہیں، میری عزیز دوست اور محرم راز بھی ہے۔"

"جہاں آرا.....! یہ کی وحشت خیز پکار ان سب کو چونکا گئی۔

"مجھے کہنے دو صفو! آج دامن جھاڑنا ہی پڑے گا۔ کم از کم ان لوگوں کو بھی یہ اندازہ تو ہو۔ بعض حقیقتیں کتنی بے رحم ہوتی ہیں۔" انہوں نے اتنائی تلخ نظروں سے جہاں زیب کو دیکھا۔

"تم نے اسفند کو بغاوت پر آمادہ کیا۔ محض اس لیے کہ تمہارے نزدیک صفیہ اس معاملے میں بھی مورد الزام ہے۔ اس درجے مخالفت کی وجہ تو معلوم کر لیتے تم تو ایک سال بعد ہی اس "پرفریب جال....." وقتی جذبوں کی سحر انگیزی سے نکل کر شیرونیہ سے علیحدگی اختیار کر کے، اسے طلاق بھجوا کر ملک چھوڑ گئے تھے

"ہاں۔ مجھے بہت جلد احساس ہو گیا تھا۔ اس کی افتاد طبع، اس کی فطرت، میرے مزاج، میری طبیعت سے ہم آہنگ نہیں ہو سکتی۔" انہوں نے گہرا طویل سانس لیا۔

"کسی قدر آسان تھا تمہارے لیے یہ سب۔ مگر شہریار تمہاری اسی "رنگین حماقت" کا ثمر۔ شیرونیہ کی اولاد تمہارا اپنا بیٹا ہے.....!"

"امی.....؟" شہریار کا جیسے دل بند ہوا۔

"جہاں آرا۔" جہاں زیب کی نظروں میں زمین آسمان گھوم گئے۔ یہ کیسا دھماکا تھا۔ جس نے ان دونوں کو جڑ..... سے ہلا دیا۔

"جی جہاں زیب صاحب۔ زبان سے کہہ دینا آسان ہے۔ اور تسلیم کر لینا بھی مشکل نہیں۔ لیکن حقیقت کو قبول کر لینا دنیا کا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔"

"نہیں امی، یہ سچ نہیں ہے۔ یہ حقیقت نہیں ہے۔ میں صرف آپ کا بیٹا ہوں۔ آپ کی اپنی اولاد.....!"

دھیمی سی ڈوبی ڈوبی آواز پر سب نے بیک وقت شہریار کے خطرناک حد تک سفید پڑ جانے والے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"خدا کے لیے امی۔ میں کسی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اتنی بڑی قیمت؟ ناممکن کہہ دیجیے آپ نے غلط کہا ہے۔ میں معافی مانگ لوں گا صفیہ پھوپھو سے بھی۔ آپ سے بھی۔ مگر یہ رشتے نہ چھینیے۔ کہہ دیجیے شیری ہمارا ہی بھائی ہے۔ ہمارا اپنا خون ہے۔ پلیز امی پلیز.....!"

اسفند بلک کر شہریار کے گلے سے جا لگا۔

"یہ تم نے کیا کہا ہے جہاں آرا؟"

جہاں زیب نے آنسوؤں میں ڈوبا اپنا بھیگا چہرہ اٹھایا۔

"جب حقیقتوں سے آشنا کیا تو حوصلہ بھی دیا ہوتا کہ یہ بہر حال تسلیم کر لینے کے لیے ہوتی ہیں اور اسی میں انسان کی بہتری ہے۔"

جہاں آرا کے احساس سے عاری لہجے میں زہر گھلا ہوا تھا۔

"بس کرو جہاں آرا بس کرو۔ میں تو پہلے ہی زخم زخم ہوں یہ۔ یہ تمہاری اپنی اولاد ہے۔ تم کس سے اپنا انتقام لینا چاہتی ہو.....؟"

"انتقام تو تم نے مجھ سے لیا ہے جہاں زیب۔ میری اک عمر کی ریاضت۔ زندگی بھر کی کاوش اور جانکاہی، ساری جمع پونجی ایک لمحے میں ختم کر دی۔ میں نے بڑی محنت کی تھی۔ لمحے لمحے کا زہر پیا، اپنی انا، اپنی خودداری کو بھینٹ چڑھایا۔ صرف ظفریاب کی خاطر۔ خود کو بھی کبھی یہ احساس نہ ہونے دیا کہ شہریار میرا بیٹا نہیں۔ ہر شخص کے ذہن سے کھرچ دیا تھا۔ اور اس بات سے تو اب میرے اور ظفریاب کے بعد صرف صفیہ ہی واقف ہے کہ یہ تمہاری اولاد ہے۔ تایا جان، تائی جان اور پھوپھی امی اور میرے ابا میاں

سب اپنی گواہی اپنے ساتھ لے گئے۔"

"وہ اپنی گواہی اپنے ساتھ لے گئے تردید اور تصدیق کی راہ ختم ہوئی۔ میں کیسے مان لوں کہ یہ سب سچ ہے؟"

"دنیا کے اس سب سے بڑے آبی طوفان میں ایک باپ پیغمبر اور نبی ہو کر بھی نافرمان اور گم کردہ راہ بیٹے کی ہر پکار کا جواب دیتے رہے۔ پھر ہم جیسے معمولی انسانوں کے لیے انحراف کیونکر ممکن ہے۔ جبکہ یہ نسبت فرماں برداری اور سعادت مندی کے معاملے میں قابل فخر بھی ٹھہری۔ بھلا کوئی اپنے ہاتھ سے بھی اپنے دل کے ٹکڑے کرتا ہے؟"

وہ تو جیسے بالکل ریزہ ریزہ ہوگئی تھیں۔

"سب کچھ اپنی جگہ درست ہے مگر کوئی ثبوت.....؟"

"ثبوت.....!" جہاں آرا نے گہرا سرد سانس لیا۔

"وہ اقرار نامہ جو شیرونیہ نے باقائم ہوش و حواس۔ بغیر کسی جبر و اکراہ کے تائی جان اور تایا جان کے حق ولایت تسلیم کرتے ہوئے ظفریاب کو دو گواہوں کی موجودگی میں تحریری دست برداری کے طور پر دیا تھا اور میری تمام تر کوشش اور مخالفت کے باوجود آج بھی ایک قیمتی دستاویز کی صورت بینک لاکر میں محفوظ ہے۔ شاید اسی دن کے لیے.....!"

"اف میرے خدایا۔ میں کس کس کا گناہ گار ہوا ہوں؟ میرے مالک! کیا میری زندگی کے اس جہنم سے بڑا کوئی اور جہنم بھی ہوگا؟" حوصلوں کے ساتھ ضبط نے بھی جہانزیب کا ساتھ چھوڑ دیا۔

شہریار کے دروازے کی سمت اٹھتے قدم سب نے دیکھا۔ لیکن پکارنے کی ہمت کسی میں بھی نہیں تھی۔

☆☆☆

"کیا بات ہے شہریار؟ کوئی پریشانی ہے؟"

اظہر نے ایک بار پھر سوال کا جواب نہ پا کر بغور اسے دیکھا۔

"ہوں؟ نہیں تو کیوں؟"

"تم کچھ اپ سیٹ سے ہو رہے ہو۔ بہت زیادہ ڈسٹرب۔ بات مجھ سے کر رہے ہو لیکن دھیان کسی اور طرف ہے۔ کوئی خاص مسئلہ ہو گیا ہے؟"

ہمدرد اور مخلص لہجے نے اسے اندر سے ہلا دیا۔

"نہیں یار! کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ لگ رہا ہے کہ میری طبیعت کچھ گڑبڑ ہو رہی ہے۔"

اس نے آنکھیں بند کر کے کرسی کی پشت سے سر ٹکایا۔ لیکن اضطراری کیفیت اظہر سے چھپ نہ سکی۔

"میرا خیال ہے شیری! دوستوں کے درمیان اتنے فاصلے کبھی نہیں ہوتے کہ پریشانیاں چھپا لینے میں کامیاب ہو جائیں یا ہم ابھی اس منزل سے دور ہیں؟" وہ اٹھ کر بالکل قریب آ گیا۔

"اچھا چلو۔ تم کہتے ہو تو پھر ٹھیک ہی کہتے ہو گے چلتے ہو چائے پینے؟ کچھ فریش ہو جاؤ گے!"

اس نے بڑی اپنائیت سے شانے پر تھپکی دی۔

"پلیز! پلیز اظہر۔ میں واقعی پریشان ہوں۔"

شہریار نے ایک دم دونوں ہاتھوں سے اظہر کی کلائی جکڑ لی۔

"مگر یہ صرف میری اپنی پریشانی ہے جس کا کسی دوسرے سے کوئی تعلق نہیں۔ مجھے یقین ہے تم دوستی کے مفہوم اور تقاضوں کو سمجھتے ہو اور اس وقت کسی بھی قسم کے سوال میرے سب سے بڑے دشمن۔ کیا تم میرا یقین برقرار رکھو گے؟"

اظہر کو اپنی کلائی پر اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت تپتے ہوئے آہنی شکنجے محسوس ہوئے۔

"شیری۔ شہریار۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ تمہارے ہاتھ؟" اس نے گھبرا کے پیشانی اور گردن ٹٹولی۔

"خدا کی پناہ تمہیں تو بخار ہے۔ وہ بھی اس قدر تیز۔ ٹھہرو میں چائے منگواتا ہوں تمہیں کوئی میڈیسن لینی چاہیے فوراً.....!"

وہ پھرتی سے باہر نکل گیا۔

واپسی میں نوید بھی ساتھ تھا۔
''ارے یہ تو بے ہوش ہو گیا شاید۔''
اظہر تیزی سے کرسی کی طرف دوڑا۔
نوید بھی بوکھلا گیا۔
دونوں نے بڑی مشکل سے بستر تک پہنچایا۔
''سنو نوید! تم ذرا بی پی آپریٹس لے کر آؤ سہیل کے کمرے سے۔ اور دیکھو میں نے نیچے زاہد سر کو دیکھا تھا۔ شاید پرودست کے کمرے میں ہیں۔ جلدی کرو پلیز۔''
وہ تھرمامیٹر تلاش کر رہا تھا۔
نوید بلا توقف وہاں سے دوڑ گیا۔

☆☆☆

سناٹے میں اچانک گونج اٹھنے والی کال بیل انہیں صور اسرافیل محسوس ہوئی۔
اسریٰ اور صفیہ پھوپھو کو داخلی دروازے تک پہنچنے میں لمحے بھی نہ لگے۔
لیکن کار سے اترنے والے اسفند یار اور وقاص اب بھی تنہا تھے۔
''کچھ پتا چلا؟'' صفیہ پھوپھو کا اضطراب مزید بڑھ گیا۔
''نہیں۔'' اسفند یار کے تھکے تھکے سے لہجے میں مایوسی تھی۔
''کہاں جا سکتے ہیں؟ دوستوں کے علاوہ اور کہیں اتنی رات گئے تک رکنے کا تو سوال ہی نہیں ہے اور اگر کہیں اور ہوتے بھی تو فون تو یقیناً کر دیتے۔'' اسریٰ کی آواز میں نمی اترنے لگی۔
''ہم نے تمام اسپتال، ایمرجنسی ڈیل کرنے والے کلینک اور ہر امکانی جگہ دیکھ لی۔ حد تو یہ ایدھی سینٹر اور چھیپا تک کا چکر لگا لیا۔ پتا نہیں کتنے شریف آدمیوں کی نیندیں خراب کی ہیں مگر لاحاصل۔''
وقاص آہستگی سے دروازے کی طرف بڑھے۔
''اب تو صبح ہو رہی ہے۔ اذانیں ہونے والی ہیں اگر آنا ہوتا تو آجاتے اب تک!'' وہ سب پھر سے لاؤنج میں آ گئے۔

''اللہ اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ جہاں بھی ہو خیریت سے ہو۔ تو ہی حفاظت کرنے والا ہے میرے مالک، تو ہی محفوظ رکھنے والا ہے۔'' صفیہ پھوپھو کی آواز ڈوب سی گئی۔
''امی کدھر ہیں؟'' اسفند یار نے کچھ چونک کر اسریٰ کو دیکھا۔
''اپنے کمرے میں مستقل جاءنماز پر ہیں یا پھر قرآن شریف لیے بیٹھی ہیں۔''
وہ اٹھ گیا۔ تولیے سے چہرہ خشک کرتے ہوئے، امی کے کمرے میں داخل ہوا۔ لیکن قدم دروازہ ہی میں ٹھٹک گئے۔
کئی مساجد سے بیک وقت اذان کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور وہ سجدے میں تھیں۔
اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ تولیہ پھینک کر تیزی سے آگے بڑھا۔
''وقاص.....!'' اس کی ہراس میں ڈوبی بلند آواز نے جیسے ان سب کے دل مٹھی میں لے لیے۔ تیزی سے دوڑتے ہوئے قدم دوسرے ہی لمحے کمرے کے اندر تھے۔

☆☆☆

''مما.....مما۔'' یہ ٹوٹا بکھرا لہجہ یہ پکار؟ جہاں آرا نے بمشکل تمام آنکھیں کھول کر دیکھا۔
''شہریار.....شیری بیٹے!''
''جی مما، یہ میں ہوں شہریار۔ آپ کا اپنا شیری۔ آنکھیں کھولیے مما۔ میری طرف دیکھیے۔''
اس نے گال تھپتھپائے۔
جہاں آرا نے پوری آنکھیں کھول دیں۔
وہ جب بھی لاڈ میں آتا ہمیشہ اسی طرح پکارا کرتا تھا۔ مگر کس قدر ناز اور مان سے۔
یہ انداز تو بالکل اجنبی تھا۔
''تم آ گئے؟ اب بھی ناراض ہو؟ میں نے زیادتی بھی تو بہت کی ہے۔'' کمزور سی آواز بڑی رک رک کر سنائی دی۔
شہریار نے کانپتا ہوا بے قوت ہاتھ تھام لیا۔

''میں گیاہ، کہاں تھا مما؟ میں تو یہیں تھا اپنے کمرے میں۔ آپ سے بھلا ناراض ہوسکتا ہوں؟ زیادتی تو میں نے کی ہے آپ کے ساتھ۔ یہ آپ نے کیا کرلیا؟''

اس نے مضبوطی سے تھامے ہوئے ہاتھ پر اپنی جلتی ہوئی پیشانی ٹکادی۔

جہاں آرا کو اپنا ہاتھ بھیگتا محسوس ہوا۔

''بری بات ہے بیٹے۔ مرد روتے اچھے نہیں لگتے۔ تمہارے ابو کو آنسوؤں سے نفرت تھی۔''

جہاں آرا نے دوسرا ہاتھ سر پر رکھ کر جھٹکی دی۔

''کون سے ابو؟'' وہ تڑپ کر ایک دم سیدھا ہو گیا۔

''وہ ابو جنہوں نے جنم دیا ہے۔ یا وہ جنہوں نے مجھے پالا پرورش کی؟''

''شیری!'' جہاں آرا سرتاپا کانپ گئیں۔

''مما، سوری مما۔ مگر میں کیا کروں، میں خود بھی شعلوں میں گھر گیا ہوں۔''

وہ ایک دم گلے سے لپٹ گیا۔ اس کے جلتے وجود کی تپش، آنسوؤں کے راستے گویا جہاں آرا کے یخ بستہ جسم میں زندگی کی حرارت بن کر منتقل ہو رہی تھی۔

☆☆☆

''شکر ہے شیری بھائی کا بخار تو ٹوٹا۔ میں تو امی سے بھی زیادہ ان کی بیماری سے خوف زدہ ہوگئی تھی۔ ویسے ایک بات ہے امی، آپ کی اس کیفیت نے شیری بھائی کو ایک سو چار بخار میں بھی بستر سے کھڑا کردیا!'' اذکیٰ شرارت سے ہنسی۔

''ہاں تو نالائقی ہے تم لوگوں کی۔ اگر مجھے پہلے ہی علم ہو جاتا تو کم از کم یہ صورت حال تو نہ ہوتی۔'' شہریار دھیمے سے مسکرادیئے۔

''اچھا جی ہم نالائق ہیں؟ سنا آپ نے؟ بھائی یہ تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ آنجناب اظہر ریحان کے کمرے میں فلیٹ ہوگئے تھے۔ اور صبح اس کی اطلاع دینے پر لاد کر گھر لائے گئے ہیں۔ پوری ایک رات اور پورا ایک دن جناب ہوش وحواس سے بے گانہ رہ چکے ہیں۔ مجھ سے بھی جھگڑ رہے ہیں کہ دو دن تک لاعلم کیوں رکھا؟'' اسفند نے خاصا بگڑ کر انکشاف کیا۔

''اصل میں اظہر ریحان کی غلطی ہے۔ چھوٹی سی بھول، اگر وہ رات ہی کو خبر کردیتے کہ شہریاران کے پاس ہیں تو شاید یہ صورت حال نہ ہوتی۔'' صفیہ پھوپھو بولیں۔

''تو پھر کچھ غلطی آپ کی بھی ہے اسفی بھائی۔ ہر امکانی جگہ دیکھی۔ اسپتالوں کے چکر لگائے۔ آدھی رات کو کتنے ہی شریف آدمیوں کی نیندیں خراب کیں۔ لیکن ہاسٹل کی طرف دھیان ہی نہیں گیا۔ اگر ادھر بھی دیکھ لیتے تو پھر یقیناً یہ صورت حال کبھی نہ ہوتی۔''

''ہاں تمہیں تو خدا موقع دے۔ بولو بولو وہ بے چارہ شیری تو پھر بھی کچھ لحاظ کرلے گا۔ لیکن تمہارے پاس اس نام کی کوئی شے نہیں ہے۔'' اسفند بالکل ہی روٹھ گیا۔ اور اس کے انداز پر شہریار کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

''ہاں تو بتاؤ اب میں جھگڑوں کیوں نہیں؟ آپ کو پتا ہے امی۔ میرے بار بار استفسار پر بھی یہ لوگ مستقل ٹال مٹول کررہے تھے۔ وہ تو دعائیں دو صفیہ پھوپھو کو، دو دن بعد ہی سہی لیکن بروقت اطلاع دی۔ یقین کریں امی، اگر آپ کو کچھ ہوجاتا تو شہریار بھی آپ کے ساتھ ہی جاتا پھر۔''

امی کی مسلسل اس کے چہرے کا طواف کرتی نظروں میں بے پناہ چاہت، شفقت اور لگاؤ لہریں لے رہا تھا۔

''پھر وہی بات۔ خیر کے کلمات منہ سے نکالا کرو شہریار! اللہ بری گھڑی سے بچائے، تمہیں زندگی دے۔ جہاں آرا کو صحت اور سلامتی دے۔ خبردار جو آئندہ کوئی بے تکی بات منہ سے نکالی۔'' صفیہ پھوپھو کے اس طرح خفا ہوجانے پر وہ سب ہنس دیئے۔

''اللہ آپ کو کیا پتا شیری بھائی۔ آپ اور امی،

ہمارے لیے کیا چیز ہیں۔ اس ایک رات نے ہمیں آپ دونوں کی قدر و قیمت بتادی۔ ایمان سے اب تو کسی ایسی بات کا تصور بھی ممکن نہیں ہے۔'' اسریٰ نے پیچھے سے آکر گلے میں بانہیں ڈالیں۔

شہریار نے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

''چلو چھٹی ہوئی شیری، تمہاری تو قیمت پتا لگ گئی اور میں بے چارہ بے قیمت ہی مارا گیا۔ بالکل مفت.....!'' اسفند نے تاسف سے سر کو جنبش دی۔

''ہائے توبہ! میرا یہ مطلب تھوڑی ہے اسفی بھائی۔'' اس کے بوکھلانے پر بڑا بے ساختہ قہقہہ پڑا۔

''مجھے تو اپنے سارے بھائی ایک ہی جیسے پیارے ہیں۔''

''بہت اچھے اسے کہتے ہیں پالیٹکس۔'' وقاص نے چڑایا۔

''بس امی۔ اب آپ بھی جلدی سے ٹھیک ٹھاک ہو جائیں بالکل۔ تو پھر جشن کا اہتمام کریں۔ منگنی کریں گے ہم شیری بھائی کی، خوب دھوم دھام سے۔ کیوں شیری بھائی؟'' اذکیٰ نے مسکراتی، جگمگاتی نظروں سے انہیں دیکھا۔

''ہاں ضرور کیوں نہیں۔'' امی رسان سے مسکرائیں۔

شہریار نے اذکیٰ کی شکل دیکھی اور اسریٰ کے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے تیزی سے اٹھ کر چلے گئے۔

''ہمیشہ بے تکی بات کرتی ہو تم۔ اور بے موقع بھی!''

وقاص نے خاصی برہمی سے بیوی کی طرف دیکھا اور راز کی چپ کی چپ رہ گئی۔

☆☆☆

بالآخر یہ کرائسس بھی گزر گیا۔

صفیہ پھوپھو نے کھڑکی سے لان میں بکھری نرم نرم روشن کرنوں پر نظر دوڑائی۔ جہاں آرا نے بستر چھوڑ دیا تھا۔ اور اب رفتہ رفتہ سب ہی معمولات کی طرف لوٹ رہے تھے۔

کیا واقعی کرائسس گزر گیا تھا؟

ٹیلی فون کی مسلسل گھنٹی بجتی پر وہ راہداری کی سمت مڑیں۔

''جی! یہ میں ہوں جہاں زیب صاحب۔''

اس آواز نے قدم پکڑ لیے۔ وہ ان سے پہلے ہی پہنچ چکی تھیں۔

صفیہ نے لڑکھڑا کے دیوار کا سہارا لیا۔

''مجھے شہریار کی ضرورت ہے جہاں آرا۔ میں اسے اپنے پاس بلانا چاہتا ہوں۔''

''بہت خوب مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟''

وہ تو پوری مضبوطی سے قدم جمائے کھڑی تھیں۔

''مگر میں اس سے یہ بات نہیں کر سکتا۔ کیا تم میری مدد نہیں کرو گی؟''

''کمال ہے جہاں زیب صاحب۔ کسی سے اس کی زندگی مانگی جائے اور وہ بھی اس ادا سے کہ دینے والا خود شرمندہ رہے؟'' وہ ہنس دیں۔ وہی دھیمی سی تلخ ہنسی۔

''جہاں آرا! خدا کے لیے میں تو خود اپنی ہی آگ میں سوختہ جاں ہوں۔ پلیز۔''

''شہریار کوئی ڈیکوریشن پیس یا خوب صورت تحفہ نہیں ہے۔ جسے میں اپنے ڈرائنگ روم سے اٹھا کر تمہارے کسی کمرے یا راہداری کی زینت بنا دوں۔ تم جب اور جس طرح چاہو اپنا حق استعمال کر سکتے ہو!''

''اف خدایا۔ کاش میں نے اسفند سے وہ سب کچھ نہ کہا ہوتا۔ میں بکھر رہا ہوں، جہاں آرا مجھے سہارا چاہیے۔ حق تو ان کے ہوتے ہیں جنہوں نے فرض ادا کیے ہوں۔ میں نے تو دامن پھیلایا ہے۔ خالی لوٹ جانے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔''

''نہیں جہاں زیب! بھلا قدرت سے بھی کبھی کوئی ٹکرایا ہے۔ خوابوں کی دنیا جتنی رنگا رنگ اور بے ضرر ہوتی ہے۔ حقیقتیں اتنی ہی سنگلاخ، بے رحم

اور مقدر اٹل۔"

ان کے مدھم حلیم لہجے میں یاسیت گھل گئی۔

"شہریار بھی یقیناً اس بات کو ذہنی طور پر تسلیم کر چکا ہے ممکن ہے کہیں کوئی محرومی اس کے لیے بھی خلش بن رہی ہو۔"

"اور کتنے زخم لگاؤ گی جہاں آراء؟"

ان کا لہجہ تڑپ سا گیا۔

"تم دونوں نے تو اسے وہ کچھ دیا ہے کہ کسی خلش کی گنجائش تو کیا تصور بھی ممکن نہیں، کم نصیب تو میں ہوں اور شاید خود غرض بھی۔ جواب یہ تمنا کر بیٹھا مگر کیا کروں؟ دل کو سمجھا لینا میرے اختیار میں نہیں رہا ہے۔ بہت تڑپا ہوں۔ زندگی کا یہ صحرا نا معلوم اور کتنا طویل ہو۔ میں آبلہ پا اور تشنہ لب۔ حوصلہ ہار بیٹھا ہوں۔ شاید اس طرح یہ سفر کچھ آسان ہو جائے میں۔ میں اپنی محرومیوں کی تلافی نہ سہی، تسلی تو کر سکتا ہوں۔"

یہ ان دیکھے آنسو گویا جہاں آرا کے دل پر برس رہے تھے۔ کہ یہ ان کے تایا زاد بھی تھے یہ شخص جو بھی ان کا حریم دل بھی رہا تھا اور بے حد عزیز بھی اور خون کے رشتوں سے روگردانی انحراف یا منکر ہو جانا ممکن نہیں ہے۔

"وہ تمہارا بیٹا ہے جہاں زیب، میں تو اس وقت بھی سد راہ نہیں بنی تھی۔ جب میری اپنی زندگی۔ میری دنیا پامال ہو رہی تھی۔ پھر اب رکاوٹ کیسے بن سکتی ہوں۔"

"جانتا ہوں۔ مگر شہریار تم سے بڑی گہری وابستگی رکھتا ہے۔"

"اور تم اس جرم کی سزا بھی اسے میرے ہی ہاتھوں دلوانا چاہتے ہو؟"

"غلط مت سمجھو جہاں آرا۔" وہ ایک بار پھر بے بس ہو گئے۔ ہار گئے۔

"وہ تم سے اس درجہ منسلک ہے کہ تمہارے جذبات، تمہارے احساسات اس کے لیے ایمان بن چکے ہیں۔ جنہیں کسی بھی قیمت پر مجروح نہیں ہونے دے گا۔"

"میں اسے اپنا فخر سمجھوں یا اس کی مجبوری؟"

"میں مانتا ہوں جہاں آرا، میرا جرم بہت سنگین ہے، لیکن تمہاری طبیعت اتنی بے رحم تو کبھی بھی نہ تھی۔ میرے اعتراف۔ میرے پچھتاوے۔ تمہارے لیے حرف تسلی، وجہ تسکین نہ سہی کیا دل کے کسی نرم گوشے کو چھو کر ہمدردی کی ذرا سی رمق بھی بیدار نہیں کر پاتے۔ میں جو محرومیوں کی صلیب اٹھائے خود ہی اپنے انجام کی طرف مسلسل سفر میں ہوں۔"

"سوری جہاں زیب۔" وہ فوراً سنبھل گئیں۔

"میں کوشش کروں گی۔ حقیقت حال سے واقف ہو جانے پر اپنے اندر تسلیم کر لینے کا حوصلہ بھی پیدا کر لے۔ کہ رشتے انسان کے اختیار میں نہیں ہوتے۔" بھیگے بھیگے سے اس لہجے میں نا معلوم کتنی محرومی اور حسرت تھی۔

"وہ میرا بیٹا ہے جہاں آرا۔ لیکن تمہارا اور ظفر یاب کا پرتو۔ ٹھنڈا پر سکون، مضبوط، با حوصلہ اور عملی انسان۔ ذہین، باشعور اور آہنی اعصاب کا مالک۔ یہ سب کچھ مجھے میری کم مائیگی کا احساس دلانے کے لیے کافی نہیں؟ اس کے روپ میں میری نا آسودہ آرزوئیں، تشنہ تمنائیں مجسم ہو گئی ہیں۔ میں ایک بار۔ صرف ایک بار اس یقین کو پانا چاہتا ہوں کہ یہ میرے ہی وجود کا حصہ ہے، میرا اپنا خون۔ وہ ایک بار میرے گلے لگ کر یہ تسلیم کر لے۔ میں سمجھوں گا اس نے مجھے معاف کر دیا۔ مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔"

انجانی سی تڑپ لیے سلگتا ہوا لہجہ سچائی کا مظہر تھا۔ جہاں آرا نے چپ چاپ ریسیور رکھ دیا۔

دل کی سنگلاخ چٹان تو پہلے ہی تڑخ رہی تھی۔ اندر کی طغیانیوں نے ماضی کی کتنی شکلوں، کتنی تصویروں کو اشکوں میں ڈھال دیا۔ مگر جلتی آنکھیں راہ دینے کو اب بھی تیار نہیں تھیں۔

"امی....."

''ہوں!'' وہ چونک کر پلٹی اور ایک لمحے کے لیے بالکل پتھر ہوگئیں۔

''تم کب آئے؟'' دل ہی نہیں لہجہ بھی دھڑک گیا۔

''ابھی گفتگو سے ناواقف ہی ہوں لیکن جانتا ہوں کہ فون کس کا تھا۔ میں آپ سے کچھ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ شاید اپنے حوصلوں سے خوف زدہ تھا۔

''کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟'' جہاں آرا کے لہجے میں سکون اور ٹھنڈک اتر آئی۔

شہریار نے نظر اٹھا کے دیکھا۔ غالباً الفاظ اس کی گرفت سے نکل گئے تھے۔

''کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''صرف یہی کہ میں اپنے وجود کے ٹکڑے کہاں تلاش کروں؟''

''شہریار.....''

جہاں آرا کے دھواں دھواں ہو جانے والے چہرے نے ایک بار پھر اس کی ساری ہمتیں۔ تمام جراتیں چھین لیں۔

''مما..... پلیز مما۔'' وہ تیزی سے ان کے قریب آیا۔

''آپ نے کہا تھا کہ حقیقت بے رحم ہوتی ہے لیکن مقابلے کی، برداشت کی قوت افضل ترین ہے۔'' وہ جہاں آرا کو شانوں سے تھام کر کمرے میں لے آیا۔

''میں اپنا وجود پانا چاہتا ہوں۔ وہ وجود جس کی آپ صرف امین ہیں، میری شناخت، میرا نسب.....' تیزی سے اٹھتی جھکتی پلکوں نے نمی کو اندر ہی روک لیا۔ وہ فوراً کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا تھا۔

''تمہاری شناخت، تمہارا نسب، جہاں زیب احمد ہیں شہریار۔ یہ سچ ہے کہ تم ان ہی کے بیٹے ہو!'' جہاں آرا کی کمزور آواز میں مکمل شکست تھی۔

''جہاں زیب احمد!'' اس کے شکستہ تلخ لہجے میں دکھ اور طنز سمٹ آیا۔ قدموں میں مزید کھڑے رہنے کی قوت نہ پا کر آہستہ سے کرسی پر ٹک گیا تھا۔

''وہ تمہارے باپ ہیں۔'' جہاں آرا نے تصحیح کی۔

''رشتے محض پکارے جانے سے حیثیت نہیں پاتے۔ ان کے لیے یقین بنیادی چیز ہے۔''

''شیری رشتے انسان کے اختیار میں کبھی نہیں ہوتے، پھر ان سے منکر کیوں کہ ہوا جا سکتا ہے؟''

''منکر ہونے کے لیے تسلیم کرنا پہلی شرط ہے۔ میں صرف آگاہی چاہتا ہوں۔ ان دونوں ہستیوں سے جن کے لیے میں قطعی غیر اہم حیثیت رکھتا ہوں!'' وہ اندر سے بکھر رہا تھا۔

''بہت سارے جذباتی فیصلے ایسے بھی ہوتے ہیں شیری! جو ساری عمر کے پچھتاوے بن جاتے ہیں معمولی سی لغزش جو زندگی بھر کا روگ ٹھہرتی ہے۔ وہ محض غلطی ہی تو ہوتی ہے، اس میں عقل اور شعور کا اتنا دخل نہیں ہوتا۔''

''ہاں شاید..... آپ کے اور..... اور۔'' وہ ایک دم جھجک کر چپ ہوگیا۔

''ہاں کہو۔ رک کیوں گئے؟''

''وہ بھی شاید کوئی جذباتی فیصلہ۔ معمولی سی لغزش ہی تھی جو آپ کے اور جہاں زیب احمد کے درمیان خلیج بنی اور اس کے بعد ایک عمر کے تعلق کو یوں چند لمحوں میں ختم کر گئی۔''

جہاں آرا کا چہرہ بالکل بے رنگ ہوگیا۔

(ہاں وہ یقیناً جذباتی فیصلہ تھا جسے میں نے پچھتاوا نہیں بننے دیا تھا۔ ساری زندگی خود کو بہلاوے دیتی رہی۔ ظفریاب کے خلوص اور چاہتوں کی پناہ میں کہ انہوں نے مجھے بکھرنے نہیں دیا تھا۔ لیکن میری سب سے بڑی لغزش تو یہ ہے شہریار! جس نے مجھے یوں تہی دامن کر دیا۔ یہ ایک جذباتی لمحہ جو مجھ سے سب کچھ چھین کر لے گیا۔ اس فیصلے سے زیادہ کڑی سزا ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں احساس جرم بھی شامل ہے۔ تلافی بھی ممکن نہیں۔)

ان کی چپ شہریار کے لیے مزید تازیانہ بن

گئی۔

''میں نے کہا تھا کہ میں دونوں ہستیوں سے آگاہ ہونا چاہتا ہوں۔''

''دوسری ہستی۔ وہ تمہاری ماں ہیں شہریار..... شیرونیہ حسن۔'' جہاں آرا کے متاسف لہجے میں کرب گھل گیا۔

''امی.....!'' اس کے وجیہہ چہرے پر ایک دم طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''ہاں شیری۔ انہوں نے تمہیں جنم دیا ہے۔ تمہیں وجود بخشا ہے۔''

''اگر صرف اتنا ہی کافی ہوتا تو جانوروں کے لیے بھی ماں کی وہی حیثیت متعین کی جاتی جو انسانوں کے لیے کی گئی ہے۔ پرورش اور تربیت کا قرض ہی حقوق کا امین بنتا ہے اور شاید دل کا تعلق بھی۔ میں نے جسے ماں کی حیثیت سے دیکھا، چاہا اب صرف وہی میرے لیے اس رشتے کی پہچان ہے خواہ جنم کسی نے بھی دیا ہو.....!'' اس کے ضدی اور اٹل لہجے میں کوئی لچک نہیں تھی۔

''شیری۔ انسان پر شعور کی گرفت مضبوط ہو تو جذباتیت اپنی شدت کھو دیتی ہے۔ گئے دنوں کے دکھ بے شک طاقت ور ہوتے ہیں اور جب غالب آجائیں تو احساس محرومی کو جنم دینے لگتے ہیں۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ انسان حوصلہ مندی کے ساتھ، انہیں مشاہدہ کی زنجیریں پہنا کر۔ راستے کا پتھر بنانے کے بجائے سنگ میل قرار دے دے؟''

''کاش یہ اتنا ہی آسان ہوتا۔ پتا نہیں کتنے بہادر اور باظرف ہوتے ہیں وہ لوگ امی، جو یہ سب کچھ کر سکتے ہیں اور کر لیتے ہیں۔ آپ مجھے صرف ایک بار بتا دیں کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟ کیوں ہوا؟''

''تم نے یہ سوال جہاں زیب سے کیوں نہیں کیا؟''

''میں ان سے اصل میں اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتا!''

''اور میرے پاس اس موضوع پر کہنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے!''

شہریار نے گردن موڑ کر انہیں دیکھا۔ نظروں میں حد درجہ شکوہ اور ملال تھا۔

''اچھا..... یہ تو بتا دیں کہ شیرونیہ حسن اسی دنیا میں موجود ہیں؟''

''ہاں موجود ہیں!''

''کہاں؟ یہیں؟''

''نہیں ایران میں باوقار شوہر اور خوش و خرم بچوں کے ساتھ۔ ایک پر آسائش بھرپور اور مکمل زندگی کی مظہر۔ سحر افروز، کی پھوپھی.....!'' اس نے ایک جھٹکے سے کرسی چھوڑ دی۔

''امی.....''

جہاں آرا کو پورا یقین تھا، سسکی کی آواز ان کی سماعت کا دھوکا ہرگز نہیں۔

''یہ آپ نے کیا کہا ہے امی؟''

''نہ کہتی تو پھر کیا کرتی شیری؟'' ان کا اپنا وجود بھربھری مٹی کا ڈھیر بن گیا۔

''میری تمام تر مخالفت کی بنیادی وجہ صرف یہی ایک تھی۔ ورنہ مجھے اس بچی سے کوئی ذاتی پرخاش تو نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم کسی ذہنی اذیت کسی بڑے کرب سے گزرو۔ مگر اب کیا فائدہ۔ سحر افروز شیرونیہ حسن کی سگی بھتیجی ہے اور جہاں زیب اس بات سے واقف تھے۔''

اس کی خشک آنکھوں میں صحرا آن بسے تھے اور سینے سے اٹھنے والی گھٹا اندر ہی اندر منڈ کر برس رہی تھی۔

☆☆☆

''جہاں زیب ماموں کی حالت اچھی نہیں ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا؟'' کرتا کاٹتی ہوئی صفیہ پھوپھو کے ہاتھ سے قینچی گر گئی۔

''وقاص اور، ازکی کے ساتھ ادھر نکل گیا تھا۔ دو دن سے ہاسپٹل میں ہیں۔ ڈاکٹروں کے مطابق شدید ڈپریشن، اکیوٹ اینگزائٹی جو کسی وقت بھی ذہنی

آنکھیں دھندلا گئیں۔

''اللہ کبھی کبھی تو اپنے بندوں کو کن آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے۔ اتنا ظرف، اتنا حوصلہ ہم کہاں سے لائیں میرے مالک؟'' کتنے ہی ستارے ٹوٹ کر ان کا دامن بھگو گئے۔

☆☆☆

''بات اصل میں سے صرف اتنی ہے بیٹے، کہ یہ آزمائشیں ہی وہ بھٹی ہیں جو آدمی کو انسان بناتی ہیں۔ یہی وہ کسوٹی ہے جس پر سب کے ظرف کھل جاتے ہیں کہ کون کتنی سمائی رکھتا ہے۔ ہمارے اندر کا انسان پہچانا جاتا ہے اور شیرونیہ حسن کے خاندان کی پاکستان آمد بھی شاید ایسی ہی آزمائش تھی۔ جس نے ایک بھرے پرے ہنستے بستے خاندان کا یوں شیرازہ بکھیر دیا۔'' صفیہ پھوپھو نے گہرا سانس لیا۔

اسفند یار، اذکیٰ اور وقاص کے اصرار کے سامنے انہیں ہتھیار ڈالنے پڑے تھے۔

بالآخر وہ ان کی زبان کھلوانے میں کامیاب ہو ہی گئے۔

انہوں نے سارے معاملات اور ملال انہیں کہہ سنائے تھے۔

ورنہ ابھی تک تو وہ صرف اتنا ہی جانتے تھے۔ جہاں آرا بچپن سے جہاں زیب سے منسوب تھیں، مگر ان کی اپنی مرضی سے ایک ایرانی خاتون سے شادی کے سبب یہ نسبت ختم ہوئی اور جہاں آرا کی شادی ظفریاب سے ہوگئی۔ اور پھر ان دونوں نے ایک بھرپور، قابل رشک اور مثالی زندگی گزاری۔

''تم کیا جانو کہ دل پر کیا گزرتی ہے۔''

ان کی دھیمی سی آواز میں گہرا دکھ اور تاسف تھا۔

''جس طرح آج جنید رضا شہریار سے متاثر ہیں۔ ان کی صلاحیتوں کو سراہتے رہتے ہیں۔ وجاہت اور شائستگی کے معترف، اٹھتے بیٹھتے جس انداز سے اظہار پسندیدگی کیا کرتے ہیں اور جس طرح سحر افروز کے لیے ان کے انتخاب کو اپنی خوش نصیبی تصور کر رہے ہیں۔ بالکل یہی صورت حال جب بھی تھی۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ یہ جنید رضا کی بھانجی ہے اور لے پالک بھی اور وہ حسن شیر زاہدی کی بیٹی تھی۔ یہاں ماموں کی محبتیں ہیں۔ وہاں اپنے سگے باپ کی چاہتیں تھیں۔ اور اب یہ جنید رضا جو ایرانی سفارت خانے کے ایک اعلیٰ عہدے دار ہیں اور سحر افروز نے شہریار کے ساتھ، میڈیکل کالج میں کئی سال اکٹھے گزارے ہیں۔ وقت نقش گر حادثات!''

''پتا نہیں قصوروار کون ہے؟ وقت؟ حالات؟ یا خود یہ لوگ؟''

اسفند یار کی گہرے ملال میں ڈوبی آواز نے ان پر چھائے ہوئے گہرے سناٹے کو توڑ دیا۔

''ہاں یہ فیصلہ تو کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ غلطی کس کی تھی؟ کہاں ہوئی؟ شاید ساری خرابی نصیب کی تھی، قصور مقدر کا تھا۔ جو حسن شیر زاہدی کو ابا میاں اور بی اماں کی دعوت اور اصرار پر پاکستان لے آیا۔ ورنہ ان کے کاروباری مراسم تو بے شمار لوگوں سے تھے۔ اور شمشاد جہاں کی شادی وہ تقریب تھی جس کی مہمان داری آج بھی لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ ہے۔ کیا پھر ضروری تھا کہ وہ اور لوگوں کی طرح کسی ہوٹل میں یا کہیں اور ٹھہرنے کے بجائے گھر کے مہمان خانے میں ٹھہرائے جاتے اور شادی سے ایک مہینے قبل آ کر مزید دو مہینے گزارنے کے بعد واپس لوٹتے۔ اور اب اتنے برسوں بعد وقت پھر یوں آزمائش پر اتر آتا۔''

سب ہی گویا اپنے اندر ضرب تقسیم میں مصروف ہو گئے تھے۔

''کتنا بے اختیار ہے انسان بھی۔'' وقاص کی گہری گھمبیر آواز نے سکوت توڑا۔

''سوچنا تو اب یہ ہے امی، کہ شیری سے بات کیسے کی جائے؟ جنید انکل پھر آئے تھے جہانزیب ماموں کے پاس اور زیب ماموں خاصے سنجیدہ ہو رہے ہیں اس معاملہ میں!''

''ہاں اصل مسئلہ تو یہی ہے!''

یا جسمانی معذوری کی شکل اختیار کر سکتی ہے!''

اسفند یار نے بظاہر اخبار میں محو شہریار پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالی۔

''یہ تو ہونا ہی تھا!'' صفیہ پھوپھو نے قینچی ایک طرف کی اور کپڑا بھی لپیٹ دیا۔

''ہوش میں تو ہیں؟'' جہاں آرا کی مضطرب آواز پر شہریار نے اخبار کے پیچھے سے دیکھا۔ ان کے چہرے پر پریشانی اور تفکر بالکل عیاں ہو گیا تھا۔

''کسی حد تک۔'' کہنی کے بل نیم دراز اسفند ایک دم سیدھا ہو گیا۔

''دواؤں کے زیر اثر..... زیادہ تر غنودگی کی کیفیت رہتی ہے۔'' جہاں آرا اور صفیہ کی نظریں ملیں۔

''شیری۔'' صفیہ پھوپھو نے ہمت کی۔

''جی؟'' اس نے اخبار نیچے کیا۔

''کیا تم اپنے فیصلے پر نظر ثانی نہیں کر سکتے۔''

''کون سے فیصلے پر؟''

''شیری۔ جہاں زیب بہر حال تمہارے باپ ہیں۔'' وہ بے بس ہو گئیں۔

اس کے جذبات سے عاری چہرے پر وہی سختی اور کرختگی بکھر گئی۔

چپ چاپ اخبار تہہ کر کے رول بناتا رہا۔

''شیری۔'' اسفند یار نے اس کے قریب آ کر شانے پر ہاتھ رکھا۔

''میں ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ ہم نے اپنے درمیان عمر کے فرق کو کبھی اہمیت نہیں دی۔ امی کی سرزنش کے باوجود ہم بھائیوں سے زیادہ دوست رہے ہیں۔ اور ایک دوست ہونے کے ناتے میں تمہاری کیفیت، تمہارے احساسات سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔ کیا تم مجھے یہ حق دو گے؟''

اخبار کا رول ہتھیلی پر مارتے ہوئے شہریار نے صرف ایک لمحے کو اس کی طرف دیکھا۔

''تم نہ بھی دو تب بھی میں کہوں گا ضرور! تم جانتے ہو میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔ شیری، بحیثیت ڈاکٹر انسانی زندگی کا تحفظ تمہارا فرض ہے۔ بے شک دل کے رشتہ استوار نہیں ہو سکتے۔ لیکن کیا انسانیت کی خاطر تم خود پر تھوڑا سا جبر بھی نہیں کر سکتے؟'' شہریار نے اخبار کا رول تخت پر ڈال دیا۔

اسفند نے اس کا ہاتھ دونوں ہاتھوں کی نرم محبت بھری مضبوط گرفت میں تھام لیا۔

''موت اور زندگی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے شیری لیکن اذیتوں کا وہ عذاب جو پچھتاووں کی صورت میں ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتا رہے، ہمیشہ بے سکون رکھتا ہے۔ اور جان سے گزر جانا اتنا آسان نہیں ہے۔''

شہریار نے ایک دوسرے کے الجھے ہوئے ہاتھوں پر پیشانی ٹیک دی۔

''بے شک تم کسی رشتہ، کسی تعلق کو اہمیت مت دو۔ کسی جذبے کسی احساس کو اپنے اندر پناہ نہ دو مگر خدارا ایک بار صرف ایک بار، اس بے بسی اور کرب کا اندازہ تو کرو۔ غیر بن کر ہی سہی، تسکین دے دو شیری کہ عفو اور رحم اللہ کی صفات ہیں۔''

''اٹھو شہریار.....'' بازو پر نرم اور شفیق ہاتھ کی یہ مضبوط گرفت کس کی تھی؟ اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

''وقت بہت بے مہر ہے شیری، اور حد درجے بے نیاز بھی۔ ہر دم رواں دواں۔ ہر سود و زیاں سے بے پروا۔ کبھی نہیں رکتا، کسی کا انتظار نہیں کرتا۔ ہم اسے لوٹانے پر بھی قادر نہیں ہیں!''

جہاں آرا کی آنکھوں میں کتنا صبر، کتنی رضا اور کسی درجے بے اختیاری تھی۔ ٹھہراؤ اور ٹھنڈک کی نرم نرم پھوار جو اسے سر تا پا بھگو گئی۔ خود فراموشی تھی یا سحر زدگی کا عالم؟ اس کے اندر ساری مزاحمت دم توڑ گئی۔

اسفند نے تخت پر سے گاڑی کی چابیاں اٹھائیں۔

جہاں آرا کے ساتھ دروازے کی سمت اٹھتے ہوئے، شہریار کے تھکے تھکے سے قدم صفیہ پھوپھو کو اپنے دل پر پڑتے محسوس ہو رہے تھے۔ ان کی

''مگر اب تو وہ، بنا ہی ختم ہوگئی جو وجہ مخالفت بنی تھی۔ اگر سحر افروز نے انہیں واقعی متاثر کیا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں جو رکاوٹ بنے، دوسروں کے کیے کی سزا وہ کیوں بھگتیں۔ قصور جس کسی کا بھی تھا شہریار بھائی تو اس کے حصہ دار نہیں ہیں اور پھر بات تعلق کی بھی ہوتی ہے۔ شیرونیہ حسن یہاں سے بہت دور ہیں۔ اور شیری بھائی کے سارے رابطے، تمام واسطے، تمام تعلق ہم سے منسلک ہیں۔ میرے خیال میں یہ ساری باتیں ان کے علم میں آنی چاہئیں۔ تاکہ وہ ہلکے پھلکے ہو کر اس موضوع پر سوچ سکیں۔ فیصلہ کر سکیں۔ تذبذب سے نکل آئیں۔''

اذکیٰ ان کے ہر معاملے میں انتہائی جذباتی انداز میں سوچ رہی تھی۔

''اسے علم ہے تمام باتوں کا۔ اب سے نہیں بہت پہلے سے معلوم ہیں!''

''ارے؟ وہ کیسے؟ کس نے بتایا؟''

وقاص اور اسفند بھی اس انکشاف پر بے طرح چونکے۔

''میں نے۔'' صفیہ پھوپھو نے آرام سے کہا۔

''کب؟''

''جس روز زیب بھائی کا فون آیا تھا۔ وہ بہت بکھر رہا تھا۔ اگر نہ بتاتی تو شاید زیب بھائی کی جگہ وہ خود ہی بستر پکڑ لیتا!''

''اوہو تو یہ صرف گریز نہیں ہے۔'' اسفند ایک لمحے میں تہہ تک پہنچ گیا۔

''ہاں شاید! تم کوشش کرو شاید کھل جائے۔''

''بے کار ہے پھوپھو۔ میں جانتا ہوں اس کا جواب کیا ہوگا۔ وہ زیب ماموں کی طرح آنکھ بند کر کے ایک دم سے اور ایک ہی سمت دوڑ جانے والا انسان نہیں ہے۔ یہ دیکھے بغیر کے آگے کنواں ہے یا کھائی!'' اسفند کھڑا ہو گیا۔

''ہاں اس کی طبیعت کا یہ توازن ظفر بھائی کی توجہ، تربیت اور محبت کا ہی نتیجہ ہے۔ اللہ انہیں اس بے لوث چاہت کا صلہ اور اجر ضرور دے گا۔'' صفیہ پھوپھو کی آواز بھیگ سی گئی۔

ان کے اندر رہ رہ کر جاگنے والے ملال انہیں بار بار ماضی کی اذیتوں کی طرف دھکیل رہے تھے۔

''زیب بھائی نے جب شیرونیہ کو طلاق نامہ بھجوایا تھا تو اس کے بعد سے گھر میں شکل ہی نہیں دکھائی تھی۔ ماموں جان حد درجے ناراض تھے۔ دوسروں ہی سے علم ہوا کہ وہ ملک چھوڑ گئے ہیں۔ ایک معروف ملٹی نیشنل فرم میں ملازمت اختیار کی ہوئی تھی۔ بے شمار مراعات کے ساتھ۔ کوئی رکاوٹ تو تھی نہیں۔ اور پھر ابا میاں اور بی اماں کی یکے بعد دیگرے چند مہینوں کے فرق سے ہونے والی اموات نے ساری کسر تمام کر دی۔ دلوں کے زخم، یہ گھاؤ مزید گہرے ہو گئے۔

اور جب دو سال بعد وہ لوٹے تو انتہائی رنج و غم اور گرد ملال سے گزرنے کے بعد۔ ایک بار پھر جہاں آرا سے شادی کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ جہاں آرا تو خیر ان کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں رہی تھی۔ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ بکھر رہی تھی۔ مگر انہوں نے ماموں میاں اور اپنے اماں ابا سمیت دیگر تمام لوگوں کو بھی کنوینس کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر ان کی لا ابالی طبیعت اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی وجہ سے کوئی بھی آمادہ نہیں تھا۔ خاص طور پر ماموں میاں، جہاں آرا کے والد۔ اور جہاں آرا کی جو حالت تھی وہ میرے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ اور پھر جہاں آرا کے کہنے ہی پر میں اس کی زبان بنی تھی۔ امی نے، میں نے اور ظفر بھائی نے کس کس طرح اسے سنبھالا۔ اس بحران سے، اس بری طرح ہونے والی شکست و ریخت سے نکالا۔ اسے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹانے اور مضبوطی فراہم کرنے میں ہم پر کیا کیا گزری یہ کوئی نہیں جان سکتا۔''

یہ سب دہراتے ہوئے وہ تو جیسے خود سے بھی بے گانہ ہو گئی تھیں۔

''امی بتاتی تھیں۔ جہاں آرا کا یہ نام بھی ماموں جان نے ہی رکھا تھا۔ یہ کہہ کر کہ یہ میرے

''مگر اب تو وہ، بنا ہی ختم ہو گئی جو وجہ مخالفت بنی تھی۔ اگر سحر افروز نے انہیں واقعی متاثر کیا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں جو رکاوٹ بنے، دوسروں کے کیے کی سزا وہ کیوں بھگتیں۔ قصور جس کسی کا بھی تھا شہریار بھائی تو اس کے حصہ دار نہیں ہیں اور پھر بات تعلق کی بھی ہوتی ہے۔ شیرونیہ حسن یہاں سے بہت دور ہیں۔ اور شیری بھائی کے سارے رابطے، تمام واسطے، تمام تعلق ہم سے منسلک ہیں۔ میرے خیال میں یہ ساری باتیں ان کے علم میں آنی چاہئیں۔ تاکہ وہ ہلکے پھلکے ہو کر اس موضوع پر سوچ سکیں۔ فیصلہ کر سکیں۔ تذبذب سے نکل آئیں۔''

اذکیٰ ان کے ہر معاملے میں انتہائی جذباتی انداز میں سوچ رہی تھی۔

''اسے علم ہے تمام باتوں کا۔ اب سے نہیں بہت پہلے سے معلوم ہیں!''

''ارے؟ وہ کیسے؟ کس نے بتایا؟''

وقاص اور اسفند بھی اس انکشاف پر بے طرح چونکے۔

''میں نے۔'' صفیہ پھوپھو نے آرام سے کہا۔

''کب؟''

''جس روز زیب بھائی کا فون آیا تھا۔ وہ بہت بکھر رہا تھا۔ اگر نہ بتاتی تو شاید زیب بھائی کی جگہ وہ خود ہی بستر پکڑ لیتا!''

''اوہو تو یہ صرف گریز نہیں ہے۔'' اسفند ایک لمحے میں تہہ تک پہنچ گیا۔

''ہاں شاید! تم کوشش کرو شاید کھل جائے۔''

''بے کار ہے پھوپھو۔ میں جانتا ہوں اس کا جواب کیا ہوگا۔ وہ زیب ماموں کی طرح آنکھ بند کر کے ایک دم سے اور ایک ہی سمت دوڑ جانے والا انسان نہیں ہے۔ یہ دیکھے بغیر کے آگے کنواں ہے یا کھائی!'' اسفند کھڑا ہو گیا۔

''ہاں اس کی طبیعت کا یہ توازن ظفر بھائی کی توجہ، تربیت اور محبت کا ہی نتیجہ ہے۔ اللہ انہیں اس بے لوث چاہت کا صلہ اور اجر ضرور دے گا۔'' صفیہ پھوپھو کی آواز بھیگ سی گئی۔

ان کے اندر رہ رہ کر جاگنے والے ملال انہیں بار بار ماضی کی اذیتوں کی طرف دھکیل رہے تھے۔

''زیب بھائی نے جب شیرونیہ کو طلاق نامہ بھجوایا تھا تو اس کے بعد سے گھر میں شکل ہی نہیں دکھائی تھی۔ ماموں جان حد درجے ناراض تھے۔ دوسروں ہی سے علم ہوا کہ وہ ملک چھوڑ گئے ہیں۔ ایک معروف ملٹی نیشنل فرم میں ملازمت اختیار کی ہوئی تھی۔ بے شمار مراعات کے ساتھ۔ کوئی رکاوٹ تو تھی نہیں۔ اور پھر ابا میاں اور بی اماں کی یکے بعد دیگرے چند مہینوں کے فرق سے ہونے والی اموات نے ساری کسر تمام کر دی۔ دلوں کے زخم، یہ گھاؤ مزید گہرے ہو گئے۔

اور جب دو سال بعد وہ لوٹے تو انتہائی رنج و غم اور گرد ملال سے گزرنے کے بعد۔ ایک بار پھر جہاں آرا سے شادی کے لیے کمر بستہ ہو گئے۔ جہاں آرا تو خیر ان کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں رہی تھی۔ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی تھی۔ بکھر رہی تھی۔ مگر انہوں نے ماموں میاں اور اپنے اماں ابا سمیت دیگر تمام لوگوں کو بھی کنوینس کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر ان کی لا ابالی طبیعت اور غیر ذمہ دارانہ حرکتوں کی وجہ سے کوئی بھی آمادہ نہیں تھا۔ خاص طور پر ماموں میاں، جہاں آرا کے والد۔ اور جہاں آرا کی جو حالت تھی وہ میرے لیے ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ اور پھر جہاں آرا کے کہنے ہی پر میں اس کی زبان بنی تھی۔ امی نے، میں نے اور ظفر بھائی نے کس کس طرح اسے سنبھالا۔ اس بحران سے، اس بری طرح ہونے والی شکست و ریخت سے نکالا۔ اسے دوبارہ زندگی کی طرف لوٹانے اور مضبوطی فراہم کرنے میں ہم پر کیا کیا گزری یہ کوئی نہیں جان سکتا۔''

یہ سب دہراتے ہوئے وہ توجیسے خود سے بھی بے گانہ ہو گئی تھیں۔

''امی بتاتی تھیں۔ جہاں آرا کا یہ نام بھی ماموں جان نے ہی رکھا تھا۔ یہ کہہ کر کہ یہ میرے

جہاں زیب کی دلہن بنے گی۔ وہ دونوں میاں بیوی اسے غیر معمولی توجہ دیا کرتے تھے۔ جہاں آرا کے لیے ظفر بھائی کا انتخاب بھی ماموں جان نے کیا تھا۔ ماموں میاں کی حالت دیکھتے ہوئے ظفر بھائی ان دونوں بھائیوں کے لیے زبردست ذہنی سپورٹ بن گئے تھے۔ ماموں جان اکثر ڈبڈباتی آنکھوں سے انہیں دیکھ کر کہتے تھے۔

کاش جہاں زیب کی جگہ ظفر یاب میرا بیٹا ہوتا!

میں آپ ہی کا بیٹا تو ہوں ماموں جان۔'' ظفر بھائی ان کے گلے سے لپٹ جاتے۔

اور جب جہاں آرا اور ظفر بھائی کی شادی طے ہوگئی تو زیب بھائی ایک بار پھر ملک چھوڑ گئے۔ اور اس دفعہ انہوں نے کوئی خیر خبر بھی نہیں دی تھی کہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں آہستہ آہستہ سب ہی کو صبر آ گیا۔ حالانکہ حالت یہ تھی کہ۔

پچھلی محبتوں نے وہ نامرادیاں دیں
تازہ رفاقتوں سے دل تھا ڈرا ڈرا سا!''

جہاں آرا کی شادی کے بعد ماموں میاں بھی زیادہ عرصے جی نہیں سکے تھے۔ پھر جب وہاں سے یہ اطلاع آئی کہ حسن شیر زاہدی، شیرونیہ کی خواہش پر اس کی دوسری شادی کر رہے ہیں تو ماموں جان نے شہریار کی تحویل کے لیے ان سے رابطہ کیا تھا۔ جہاں زیب تو یہ بھی نہیں جانتے تھے کہ شیرونیہ کے پاس ان کی کوئی اولاد بھی ہے۔ شہریار صرف دو سال کا تھا۔ جب ماموں جان مامی جان کی تحویل میں آیا۔ اور ظفر بھائی اور جہاں آرا کی شادی کو بھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا۔ ظاہر ہے اتنے چھوٹے بچے کی دیکھ بھال ماموں اور مامی جان کے بس کی بات نہیں تھی۔ سو یہ ذمہ داری بھی ان ہی دونوں پر آ گئی۔

ظفر بھائی نے جہاں آرا سے کہا تھا۔

جہاں آرا۔ شہریار ہمارے پاس ماموں جان اور مامی جان کی امانت ہے۔ تم یہ بھول جاؤ کہ یہ جہاں زیب کا بیٹا ہے۔ تمہارے تایا جان اور تائی جان نے تم سے بے پناہ محبت کی ہے۔ تمہاری خاطر سگی اولاد کو چھوڑ دیا تھا۔ اب ہم شیری کی پرورش اس کی تربیت کی صورت ان کا یہ قرض لوٹائیں گے۔

انہوں نے گھر بھر میں اعلان کر دیا تھا کہ شیری کے سامنے کوئی جہاں زیب یا شیرونیہ کا نام بھی نہیں لے گا۔ آہستہ آہستہ خاندان والے بھی سب بھول گئے کہ یہ شہریار، جہاں آرا اور ظفر یاب کی اولاد نہیں ہے۔ اور جہاں زیب بھائی نے تو ایک مدت پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ خبر ہی نہیں لی۔ اور نہ دی!'' ان کی آواز دھیمی ہوتے ہوتے ڈوب سی گئی۔

''تم کہہ رہے ہو میں جانتا ہوں۔ کوئی کچھ نہیں جان سکتا ہے اسفی۔ سوائے اس قادرِ مطلق کے۔ فیصلے کا اختیار صرف اور صرف وقت کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ آج جہاں زیب مجھے سب سے بڑا قصوروار گردان رہے ہیں۔ محض اس لیے کہ میں جہاں آرا کی زبان، اس کی ترجمان بنی تھی۔ جو کچھ جہاں آرا نے چاہا تھا میں نے اسے اظہار کا ذریعہ بن کر منوایا تھا کہ میں اسے ٹوٹتے بکھرتے، لمحہ لمحہ خود اپنے آپ سے بچھڑتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ لیکن آج وقت نے ساری بساط الٹ دی ہے۔''

''پھوپھو پلیز! کیا آپ میری یہ جذباتی خطا کبھی معاف نہیں کر سکیں گی؟'' اسفند نے تیزی سے پلٹ کر ان کے شانے تھام لیے۔

''بخدا میرا یہ مطلب نہیں ہے اسفی۔'' انہوں نے بے ساختہ گلے لگا لیا۔

''اولاد کی کوئی بات بھی والدین کے لیے خطا بنی ہے کبھی۔ قصوروار تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں ہے چندا۔ اور الزام تو جب دیا جاتا ہے جب تسلیم کر لینے کا حوصلہ نہ ہو۔ میں نے تو اعتراف کیا ہے۔ شہریار تمہیں ہی نہیں، مجھے بھی بہت عزیز ہے۔ بات تو قربتوں کی تھی۔ اور یہ صرف ایک حوالہ۔''

''سوری پھوپھو۔ میں کوشش کروں گا۔ میں بھی اسے یوں ٹوٹتے بکھرتے، رفتہ رفتہ جان سے گزرتے نہیں دیکھ سکتا۔ وہ مجھے خود سے کہیں بڑھ کر عزیز ہے!''

اس نے جیبوں میں ہاتھ ٹھونس کر آنکھوں کی نمی چھپانے کے لیے چھت کی طرف دیکھا۔
صفیہ پھوپھو نے چھلکتی آنکھوں کے ساتھ ہنستے ہنستے پیشانی چوم لی۔

☆☆☆

''جہاں زیب ماموں تمہارا پیغام رسمی منظوری کے لیے سعد حسن زاہدی کی خدمت میں باقاعدہ طریقے سے پیش کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔''
وہ بہت دیر سے خود کو تیار کر رہا تھا۔ اور اب متوجہ نہ ہوتے ہوئے بھی شہریار کارروائی سے چلتا قلم اس نے ایک دم رکتے صاف دیکھا۔
''تم سے کس نے کہا؟''
''امی سے اظہار خیال کیا ہے انہوں نے۔ وہ خود لے کر جانا چاہتے ہیں تاکہ کچھ تلافی بھی ہو سکے۔ کہ اب اس سارے معاملے میں وہ اپنے آپ کو سب سے زیادہ مجرم تصور کر رہے ہیں۔''
''کہاں لے جانا چاہتے ہیں؟''
شہریار نے اس کے اگلے جملے قطعی نظر انداز کر دیئے تھے۔
''کہاں؟ کیا مطلب؟ سحر افروز کے ہاں اور کہاں؟''
''سحر افروز کے ہاں..... مگر اب..... میں یہ بالکل نہیں چاہتا!''
''کیا آ..... کیا نہیں چاہتے؟'' ایک جھٹکے سے اسفند کا سر اس کی طرف گھوم گیا۔
''یہی کہ میرا پیغام سحر افروز کے لیے بھیجا جائے!'' اس کا لہجہ بالکل سرد اور سپاٹ تھا۔
''مگر کیوں؟''
''مجھے تم سے یہ توقع ہرگز نہیں تھی کہ یہ سوال تم، کرو گے اسفی۔'' اس نے بڑی شکستہ نظروں سے دیکھا۔ اسفند فوراً دوسری طرف دیکھنے لگا۔
''تم نے کیا کہا ہے شیری؟ تمہیں اندازہ ہے کسی قدر احمقانہ بات ہے یہ؟ جبکہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ زیب ماموں اس معاملے میں سراسر خود کو مجرم سمجھ رہے ہیں۔'' اسفند کا لہجہ ایک دم پست ہو گیا۔
''تم بھی اسے احمقانہ قرار دو گے اسفند یار۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ صرف یہ ہی اک نسبت تو تھی جس نے مجھ سے میرے تمام رشتے، سارے تعلق چھین لیے .....!''
اس کے لہجے میں بے بسی کا کرب گھل گیا۔
''کیوں فضول باتیں کرتے ہو شیری۔ رشتے اور تعلق تو دلوں کے ہوا کرتے ہیں!'' اضطراب کی تند لہریں اسفند کو اٹھا اٹھا کر پٹخ رہی تھیں۔
''ہاں اور احساس کے بھی۔ میں سب کچھ کھو کر کیا پا سکوں گا اسفی؟''
اس کا مدھم ٹھہرا ہوا لہجہ بے حد گھمبیر ہو گیا۔
''یہ رشتے، یہ بندھن تو بہت مقدس اور قابل احترام ہوتے ہیں۔ اور میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ اس لیے کہ انسان کی اساس خون کے رشتوں سے اٹھتی ہے۔ جن کے سامنے تمام تعلق، سارے ناتے، سب واسطے بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ ہماری اندر کی دنیا ان ہی رشتوں کی بنیاد پر تعمیر ہوتی ہے۔ اور باہر کے رابطے ان ہی کی بنا پر استوار رگوں میں دوڑتا لہو۔ دل و دماغ، ان ہی کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اور جذبات احساسات اور مزاج، ان ہی کی وراثت۔ میں خود میں کسی آزمائش کا حوصلہ نہیں پاتا اسفی۔ اس لیے کہ میں بہرحال جہاں زیب احمد کا بیٹا ہوں، ان کا اپنا خون!'' اسفند کا دل پگھل کر آنکھوں میں جمع ہوتا رہا۔
تم سے یہ سب تسلیم کرا کے کسی کو کیا ملا۔ اور خود تم نے یہ سب تسلیم کر کے بھلا کیا پایا۔ شہریار، امی، اس کیا کھویا، کیا پایا کہ سارے کھیل میں سب سے زیادہ نہتی دامن کون ٹھہرا.....؟'' اسفند یار کا سلگتا ہوا ذہن مسلسل صرف یہی ایک بات سوچ رہا تھا۔
سچ ہی کہا تھا فیض احمد فیض نے:
''گڑی ہیں کتنی صلیبیں میرے دریچے میں.....!''

تمت بالخیر

☆☆